پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

بچوں کا اسلام

1041

اتوار یکم محرم 1443ھ
مطابق 31 جولائی 2022ء

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

احتیاط کی شمع



طاقت ور

اللہ پر بھروسا کرو!

اے (اللہ کے) نبی! آپ فرما دیجیے کہ ہم پر کوئی حادثہ اور مصیبت نہیں آتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے مقدر فرمایا ہے، وہ اللہ ہمارا مالک ہے اور چاہیے کہ تمام مسلمان اس پر بھروسا کریں اور اپنے تمام کام اسی کے سپرد کریں۔ {سورۂ توبہ: آیت 51}

گھر سے نکلتے وقت کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کسی مقصد کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے: **بسم اللہ توکلت علی اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!** تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا، اور شر سے محفوظ ہوگیا۔'' {ابوداؤد}

گذشتہ سے پیوستہ

مفت عوامی تربیتی ادارے

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

یوں تو شہری تربیت کا قومی ادارہ جو عشروں سے فوت ہو چکا، اسے ہی زندہ ہونا چاہیے جو ہر شہری کی لازمی تربیت کو یقینی بنائے، مگر بدقسمتی سے ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کی ترجیحات کسی حکومت کی فہرست میں کہیں دور دور تک بھی نہیں ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں اب بھی شہری تربیت پر لاکھوں کا بجٹ مختص کیا جاتا ہے، مگر ہمارے ہاں سال میں صرف ایک دن منا لیا جاتا ہے، وہ بھی رسمی طور پر، عملاً شہری تربیت کا تصور بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ میں یہ قانون بنایا گیا تھا کہ ہر گھر، دفتر، کارخانوں اور اسکولوں میں ضرورت کے مطابق پانی سے بھری بالٹیاں اور ریت کی بوریاں بھر کر لازمی رکھی ہونی چاہئیں، تاکہ آگ بجھانے میں مدد مل سکے۔ اس سلسلے میں مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے، آج ہمیں ان پروگراموں کو اپنے بچوں کو سکھانا ہے، تاکہ وقت پڑنے پر وہ اپنی، اپنے آس پاس والوں کی حادثات سے حفاظت کر سکیں۔ اپنی اور دوسروں کی مدد کر سکیں، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا، یہ سب ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔

ہمیں ہر شہر میں اس طرح کے مفت عوامی تربیتی ادارے شروع کرنے ہوں گے، جہاں کسی بھی ایمرجنسی سے نمٹنے کی ابتدائی مہارتیں نوعمروں کو خصوصاً اور عموماً ہر عمر کے لوگوں کو سکھائی جاتی ہوں۔

ان اداروں کا اولین مقصد تو یہی ہو، اُس کے ساتھ ساتھ گھر میں ورزشی آلات اور مشینوں کے بغیر ہلکی پھلکی مگر انتہائی مفید ورزشیں، تیراکی، گھڑسواری، نشانہ بازی، دفاعی لڑائی (کراٹے) یہ سب بھی مفت میں یا نہایت کم فیس میں سکھائی جاتی ہوں۔

ہمیں پڑھنے والے جو بڑے ہیں اور صاحب استعداد بھی، ان سے درخواست ہے کہ اپنے اپنے علاقے میں اس نوعیت کے عوامی فلاحی ادارے شروع کریں تو یہ آنے والی نسل کی بڑی خدمت ہو جائے گی۔

والسلام محمد فیصل شہزاد

اخلاص والے!

مفہوم حدیث مبارکہ ہے:

''تمام کاموں کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا اور رسول کی رضا کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی سبب نہ تھا) تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوئی (اور بے شک وہ اللہ ورسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس کا پورا اجر ملے گا) اور جو کسی دنیاوی غرض کے لیے یا کسی سے نکاح کرنے کی خاطر ''مہاجر'' بنا تو (اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لیے نہ ہوگی، بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض سے اس نے ہجرت کی ہے۔ اللہ کے نزدیک بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔'' (صحیح بخاری)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا تو انھوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگے کہ مجھے ایک بات رلا رہی ہے جسے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں، تقوے والوں اور گم نام لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اگر (مجالس سے) چلے جائیں تو انھیں تلاش نہ کیا جائے، اور اگر حاضر ہوں تو انھیں پکارا اور قریب نہ کیا جائے (مجالس پر ان کا آنا اور چلے جانا برابر ہو)، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں، وہ ہر اندھیری سے گزر جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

احمد الرحمن۔ کراچی

مُختصر پُراثر

چار انعامات:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی دن سو مرتبہ: ”**لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک، ولہ الحمد، وھو علیٰ کل شیء قدیر**“ پڑھ لیتا ہے تو اسے چار انعامات ملتے ہیں: (۱) دس غلام آزاد کرنے کا ثواب (جبکہ ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ایک دوسری حدیث کے مطابق یوں بیان کیا گیا ہے کہ غلام کے تمام اعضا کے بدلے آزاد کرنے والے کے تمام اعضا جہنم سے آزاد کر دیے جاتے ہیں)، (۲) سو نیکیاں ملتی ہیں، (۳) سو گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور (۴) اس دن شام تک شیطان کے تسلط سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

یہ آخری انعام بہت بڑا ہے۔ شیطانی قوت سے اگر انسان محفوظ ہو جائے تو دن بھر کے لیے نیک کام کرنا اور گناہوں سے بچنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ گویا یہ وہی آفر ہے جو پورا رمضان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو حاصل رہتی ہے، لیکن رمضان کے علاوہ اس کے حصول کے لیے یہ عمل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ آفر اسی دن شام تک کے لیے ہے۔ اس لیے علما نے لکھا ہے کہ اس وظیفے کو دن کے اول حصے میں کر لینا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت شیطانی قوتوں سے محفوظ گزرے۔ (امیر حمزہ)

دو حماد:

راویانِ حدیث میں مشہور دو حماد گزرے ہیں: حماد بن زید اور حماد بن سلمہ۔

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کوفہ کے رہنے والے تھے اور دونوں کے اساتذہ اور تلامذہ بھی تقریباً ایک جیسے تھے، لہٰذا جب صرف حماد بولا جاتا تھا تو اشتباہ ہو جاتا تھا کہ ان سے مراد کون سا حماد ہے؟ ان کی افضلیت پر بھی بحث ہوئی ہے۔ محدثین کے ہاں صناعتِ حدیث میں حماد بن زید کا مقام حماد بن سلمہ سے بلند ہے، البتہ تقویٰ اور عبادت میں بعض نے حماد بن سلمہ کو ترجیح دی ہے۔ ایک اور مزے کی بات یہ ہے کہ حماد بن زید کے دادا کا نام ”درہم“ ہے اور حماد بن سلمہ کے دادا کا نام ”دینار“ ہے۔ اُن کے دادا کے نام کی مناسبت سے اُن کے بارے میں یہ لطیفہ بھی مشہور ہے کہ: حماد بن سلمہ کی فضیلت حماد بن زید پر ایسی ہے جیسے دینار کی فضیلت درہم پر۔ (حبیب بنوی)

ملعون دنیا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے کچھ پینے کو مانگا تو شہد کا شربت خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کو منہ کے قریب فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ اور اتنا روئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی متاثر ہو کر رونے لگے۔ اس کے بعد اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے، اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دفع کر رہے ہیں۔ اور کوئی چیز حضور کے سامنے مجھے نظر نہ آئی۔ تو میں نے حضور سے پوچھا کہ حضور کس چیز کو اپنے سے ہٹا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے حاضر ہوئی تھی، میں نے اس کو اپنے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ دنیا میرے (یعنی حضور کے) پاس آئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو (کچھ قلق نہیں، اس لیے کہ) آپ کے بعد آنے والے مجھ سے نہیں بچ سکتے۔ [امّ ہانی، کراچی]

نظامِ قدرت:

ایک ملحد ہمیشہ نظامِ قدرت اور حکمت خداوندی پر اعتراض کرتا تھا۔ ایک روز اس کا گزر تربوز کے کھیت میں سے ہوا۔ اس چھوٹے سے پودے میں اتنے بڑے بڑے تربوز دیکھ کر وہ خوب ہنسا۔ آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا۔ بڑے بڑے درختوں پر چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر اس نے کہا کہ جسامت کے اعتبار سے آم کا چھوٹا چھوٹا پھل تربوزوں کے پودے میں اور تربوز کا پھل آم کے درخت پر لگتا تو یہ نہایت ہی موزوں تناسب ہوتا۔ وہ ابھی سر جھکائے آموں کو دیکھتے ہوئے قدرت کا مذاق اڑا ہی رہا تھا کہ ایک طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر سیدھا اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں جا لگا۔ آنکھ پھوٹ گئی۔ سخت تکلیف ہوئی، لیکن وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً ہی سجدۂ شکر بجا لایا کہ اب تو صرف آنکھ ہی ضائع ہونے پر بلا ٹل گئی۔ اگر میری اصلاح کے مطابق اس پر تربوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔ (ولید حسن۔ کوئٹہ)

سات آدمی:

سات آدمی خود ذلیل ہوتے ہیں:

- بلائے بغیر دعوت میں جانے والا۔
- میزبان پر حکم چلانے والا۔
- دشمن سے نیکی کی امید کرنے والا۔
- کمینوں سے احسان کی توقع رکھنے والا۔
- دو آدمیوں کی باتوں اور معاملے میں دخل دینے والا۔
- ایسی جگہ بیٹھنے والا، جہاں کا اہل نہ ہو۔
- ایسا بولنے والا جس کی بات ناپسند کی جا رہی ہو۔

(شاہ میر۔ کوہاٹ)

☆☆☆

خط و کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83
سالانہ زر تعاون: اندرون ملک 1200 روپے بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے دو میگزین 20000 روپے

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

احتیاط کی شمع

فقہ کہانی

محمد فیصل علی

''کل پتا ہے کیا ہوا؟......اُف میری توبہ......!''

زبیر ہنستے ہنستے دہرا ہو رہا تھا۔

میں نے اسے غور سے دیکھا۔

اُس کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''بتاؤ گے تو پتا چلے گا ناں، مگر تم پہلے ہنس لو۔'' میں نے برا سا منھ بنایا۔

وہ ہنستے ہوئے میری طرف متوجہ ہوا اور بولا:

''بتاتا ہوں دوست، بتاتا ہوں۔''

ہم دونوں کالج کے لان میں بیٹھے تھے۔ اس وقت وقفہ تھا اور سبھی طلبہ خوش گپیوں میں مگن تھے۔

''ہوا یہ کہ کل کمپیوٹر کے لیکچر میں سر نے ہمیں وائس ٹائپنگ کے بارے میں بتایا اور پھر ہم نے وائس ٹائپنگ کی۔ اِس دوران میں بڑی مضحکہ خیز باتیں ہوئیں، جنھیں یاد کرکے ہی مجھے ہنسی آ رہی ہے۔''

''مثلاً؟'' میں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''دراصل ہم جو لفظ واضح نہیں بولتے تھے اور تلفظ درست ادا نہیں ہو پاتا تھا تو کمپیوٹر اسے کچھ اور سمجھ لیتا تھا اور غلط لفظ ٹائپ ہو جاتا تھا، جیسے ''مراد خان رانا'' نے جب اپنا نام بول کر ٹائپ کرنا چاہا تو کمپیوٹر نے اسے ''مراد خان نانا'' لکھ دیا۔''

''ہاہاہا......!'' زبیر نے کہا تو میری بھی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

زبیر فوراً بولا: ''لو دیکھو اب خود کو، اسی لیے تو میں ہنس رہا تھا۔''

''اور کیا ہوا؟'' میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''انگریزی کی ٹائپنگ بھی ایسے ہی ہوئی، ہم بولتے کچھ تھے اور کمپیوٹر سمجھتا کچھ اور تھا۔'' زبیر ہنسا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تلفظ کا درست ادا ہونا بہت ضروری ہے۔'' میں نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' زبیر نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔

''تمھاری اس بات سے میرے دماغ میں ایک اور خیال آ گیا ہے!''

''چلو پھر جلدی سے بتاؤ شاباش!'' زبیر نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

''دراصل مجھے یہ خیال آیا ہے کہ جب دنیا کی زبانوں میں تلفظ کی درست ادائی کی اس قدر اہمیت ہے تو دینی اعتبار سے اللہ میاں کے کلام کے درست تلفظ کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی۔''

''بالکل یار! ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہمیں ابو جی نے تجوید کے بارے میں سمجھایا اور یہ ہدایت کی کہ ہم نماز میں تلاوت و تسبیحات درست تلفظ سے ادا کریں۔'' زبیر جلدی سے بولا۔

''بہت اچھی بات کہی چچا جان نے۔ ہمیں بھی مدرسے میں یہی سمجھایا گیا تھا اور اب تو اسکولوں میں بھی قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ وہاں بھی تجوید پر محنت کی جا رہی ہے۔''

میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''بہت خوب، ابو جی نے ہمیں بتایا کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر اور خوب صورت انداز میں پڑھنا چاہیے، کیوں کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ قرآن مجید کو خوبصورت آواز کے ساتھ مزین کرکے پڑھو، اور ہم ہیں کہ بہت سارے الفاظ کو ادا کرتے ہوئے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا دیتے ہیں، اس سے معنی غلط ہو جاتا ہے، جیسے ابو بتا رہے تھے کہ ''الحمدللہ'' میں اگر ہم حا کو ھا میں بدل دیں اور الھمد پڑھیں تو اس کا معنی نعوذ باللہ یہ ہوگا کہ ''سارا دھواں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' جب کہ الحمدللہ



کا معنی ہے، ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اسی طرح ''قل'' کا معنی ہے: ''کہہ دیجیے'' جب کہ اگر اسے درست ادا نہ کیا جائے اور ''کل'' پڑھا جائے تو معنی ہوگا ''کھائیے'' اس لیے قرآن مجید کو درست تلفظ کے ساتھ پڑھنا اور اس کے لیے تجوید کو سیکھنا فرض ہے۔''

زبیر نے مزید اہم معلومات بتائیں۔

''بہت اہم باتیں بتائیں یار! ہم نے بھی مدرسے میں پڑھا تھا کہ تجوید کا علم بہت ضروری ہے۔ تجوید کی اصطلاح میں قرآن مجید کے تلفظ میں غلطی کو لحن کہتے ہیں۔ فقہ کی رو سے لحن جلی یعنی بڑی غلطی حرام ہے، جب کہ لحن خفی یعنی چھوٹی غلطی مکروہ ہے۔ اگر لحن جلی اس نوعیت کی ہو کہ اس سے معنی بھی بدل جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔'' میں نے بتایا۔

''اوہ اوہ......اور ہم تو اکثر ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔'' زبیر نے فکر مندی سے کہا۔

''ہاں دوست! بس اللہ معاف فرمائے، بحیثیت مسلمان ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو درست تلفظ سے پڑھیں۔'' میں نے کہا۔

4

اچھی خبریں

نظر سے گزرنے والی اکثر چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت کی خبریں لاکھوں کروڑوں لوگوں میں سے صرف چند ایک کی ہوتی ہیں۔ اِس سے معاشرے کی اصل عمومیت سامنے نہیں آپاتی۔ سالہا سال ہم ہر وقت برائیوں کی خبریں سنتے رہتے ہیں تو ذہن میں عام آدمی کے بارے میں ایک برا تصور جم جاتا ہے۔ ہر شخص دوسرے آدمی پر شک اور بدگمانی کرتا ہے، جس سے خراب معاشرے کی مضبوط بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اصل حالات جاننے کے لیے بچوں کا اسلام کے ملک بھر میں پھیلے رپورٹرز کی اچھی خبریں پڑھیے:

☆......نواب شاہ کے نواحی علاقے میں ہم ایک صاحب کو جانتے ہیں، جنھوں نے تمام زندگی کی جمع پونجی لگا کر دین کے اعتبار سے انتہائی پسماندہ علاقے میں پہلی مسجد اور مدرسہ بنایا ہے۔ جہاں بہت سے ایسے بچے حافظ بنے جن کے والدین بے چاروں کو نماز بھی مکمل نہیں آتی تھی۔ (مغیث اللہ۔ لاہور)

☆......بنگرام کے ایک صاحب کا ایکسپورٹ کا کام ہے۔ اونچے درجے کے مال دار ہیں لیکن اپنی علیحدہ حیثیت بنا کر رہنا پسند نہیں، مساکین میں اکثر اٹھنا بیٹھنا اور ان کی خدمت کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ انھیں دیکھ کر کوئی اجنبی جان ہی نہیں سکتا کہ یہ اتنے مالدار آدمی ہیں۔ (ا۔م)

☆......عید سے دو دن پہلے ہمارے محلے میں ایک پانچ سال کا روتا ہوا بچہ ہمارے پڑوسی چچا کو ملا۔ وہ بس اپنا نام بتا پا رہا تھا اور اپنے گھر اور گھر والوں سے بچھڑ گیا تھا۔ ہمارے پڑوسی چچا نے ہمارے ابو کو بتایا اور پھر یہ دونوں اور دوسرے محلے دار قریبی تھانے میں بچے کو لے کر رپورٹ لکھا آئے۔ پھر ہمارے پڑوسی چچا نے اس بچے کو اپنی تحویل میں لیا۔ چچی جان نے بچے کو بہلایا، پیار کیا اور خوب آؤ بھگت کی۔ اگلے دن چاند رات تھی۔ چچا اور گلی کے کئی لڑکے بچے کو موٹر سائیکل پر لیے آس پاس کے محلوں میں لے کر خوب گھومے۔ مساجد میں اعلان کروایا، لیکن بچے کے گھر والوں کا کہیں پتا نہ چلا۔ جب بچہ واپس گھر آیا تو چچی جان بچے کی ماں کی تڑپ کے خیال سے بہت روئیں۔ راتوں رات انھوں نے بچے کے کپڑے سیے۔ لیلۃ الجائزہ میں سب گھر والوں نے بچے کے لیے بہت دعائیں کیں۔ صبح بچے کو چچا نئے کپڑوں میں اپنے بچوں کے ساتھ عید گاہ بھی لے گئے، اور اسی شام تھانے سے فون آگیا کہ بچے کے گھر والوں کا پتا چل گیا ہے۔ دراصل ہمارے محلے کے قریب ہی ایک بازار ہے۔ بازار میں عید کی خریداری کے لیے آنے والی چند خواتین کے ساتھ بچہ بھی آیا تھا جو ان سے بچھڑ گیا۔ تھانے میں بچے سے مل کر اس کے والد اور والدہ اتنے خوش ہو رہے تھے کہ جیسے انھیں ساری دنیا کا خزانہ مل گیا ہو۔ انھوں نے روتے ہوئے چچا جان کا اتنا شکریہ ادا کیا اور اتنی دعائیں دیں کہ سب دیکھنے والے رونے لگے۔ (عبدالرحمن۔ لیہ)

''تو کیا خیال ہے، ہم بھی اپنی تجوید کا جائزہ لے لیں؟''

زبیر مسکرا کر بولا۔

''کیوں نہیں مگر کہاں؟ کس استاد کے پاس؟''

میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارے محلے میں ایک نئے قاری صاحب آئے ہیں، وہ ابو کے دوست بھی ہیں۔ ہم کل ہی سے انھیں قرآن مجید سنانا شروع کر دیتے ہیں، وہ ضرورت سمجھیں گے تو ہم ایک بار پھر قاعدہ بھی پڑھ لیں گے، یوں ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ہماری تجوید ٹھیک ہو جائے گی۔'' زبیر نے کہا۔

''تو پھر کب مل رہے ہیں ہم انھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آج ہی مل لیتے ہیں عصر کے بعد۔'' زبیر نے کہا۔

اسی وقت گھنٹی بجی اور سب طلبہ اپنی اپنی کلاس کی طرف بڑھنے لگے۔

☆......☆

اسی شام ہم قاری صاحب کی خدمت میں پیش ہوئے اور اپنا مدعا کہہ سنایا۔ ہماری باتیں سن کر قاری صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ہمیں وقت دے دیا۔ اب کل سے ہم نے انھیں قرآن مجید سنانا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہم ان سے اجازت لے کر واپس آتے وہ ہمیں کچھ رہنما باتیں بتانے لگے:

''نوجوانو! جیسا کہ تمھیں معلوم ہے کہ لحن جلی بڑی اور خطرناک غلطی ہوتی ہے، اس لیے ہمیں احتیاط کی شمع جلا کر تلاوت کرنی ہوگی اور اس سے ہر صورت بچنا ہوگا۔ ہم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بالکل قراء کرام کی طرح پڑھنا تو ہمارے بس سے باہر ہے، حالانکہ یہ تو مایوسی کی بات ہے، کم از کم سیکھنے کی کوشش کرنا تو ہم پر لازم ہے ناں؟ اب لحن جلی کی کچھ صورتیں بتاتا ہوں، انھیں توجہ سے سن لو:

☆ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا مثلاً اَلْحَمْد کو اَلْھَمْد پڑھنا۔

☆ ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن پڑھنا، مثلاً خَلَقْنَا کو خَلَقَنَا پڑھنا، اور خَتَمَ اللّٰہُ کو خَتْمَ اللّٰہ پڑھنا۔

☆ کسی حرف کو بڑھا دینا یا گھٹا دینا، جیسے فَعَلَ کو فعلا پڑھنا، لَمْ یُولَدْ کو لَمْ یَلَدْ پڑھنا (گھٹانا)۔

☆ مخفف کو مشدد اور مشدد کو مخفف پڑھنا، جیسے کَذَبَ کو کَذَّبَ پڑھنا۔

''شکریہ استاد محترم، آپ نے قیمتی معلومات دیں۔ ہم کل ہی سے حاضر ہو کر قرآن مجید سناتے ہیں آپ کو۔''

زبیر نے کہا اور قاری صاحب ہمیں دعائیں دینے لگے۔

☆☆☆

”میں تو تھکن سے بالکل نڈھال ہو گیا ہوں۔“ یاسر بن عامر نے کہا۔
”میرے اندر بھی مزید سفر کی سکت نہیں ہے۔ مالک بن عامر نے کہا۔
”ہمت کرو، مکہ اب زیادہ دور نہیں ہے۔ کچھ دن یہاں آرام کرتے ہیں۔ حرم میں دیوتاؤں سے بھائی کی بازیابی کے لیے دعا بھی کریں گے، سفر کی تکان بھی دور ہو جائے گی اور باقی سفر کے لیے خرچہ بھی لوگوں سے مانگ لیں گے۔“
حارث بن عامر نے کہا۔

میرِ حجاز

19

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

یہ تینوں بھائی اپنے وطن تہامہ یمن سے اپنے ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں نکلے تھے۔ یمن سے مکہ اور مدینہ سے تبوک اور شام کا چپہ چپہ انھوں نے چھان مارا تھا۔ کئی مہینے کے پُرصعوبت سفر کے بعد وہ سرزمینِ حرم میں آئے تو بری طرح تھک چکے تھے۔ چنانچہ وہ مکہ میں اتر گئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا، دیوتاؤں کے آگے گریہ وزاری کی اور حرم ہی میں پڑ رہے۔

جب دن کافی روشن ہو گیا تو ایک قریشی سردار ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کا صحنِ حرم سے گزر ہوا۔ اُس نے تین بدحال مسافروں کو پڑے دیکھا تو انھیں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے قریشی روایت کے مطابق ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ ان کے حال احوال سے جب آگہی ہوئی تو ابوحذیفہ نے انھیں کہا:
”تم جتنا عرصہ بھی ٹھہرنا چاہو، میرا گھر حاضر ہے۔ یہاں تمھیں کھانا اور ضرورت کی ہر چیز اور سہولت میسر ہوگی۔ تمھاری مہمان نوازی میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔“

ابوحذیفہ نے ان کی خدمت کے لیے اپنی ایک باندی سمیہ بنت خیاط کو مامور کر دیا جو صبح و شام ان کا کھانا لے کر آتی۔

کافی عرصہ قیام کے بعد اب بھائیوں نے چلنے کا کہنا شروع کر دیا تھا، مگر یاسر انھیں ٹالتا رہا۔ ایک دو مرتبہ اس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ طبیعت پر جبر کر کے وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ وطن چلنے کے لیے تیار ہو جائے، جہاں ایک گمشدہ بیٹے کے غم میں ممتا کی ماری ماں اور غمزدہ بوڑھا باپ ان کے انتظار میں ہوں گے، لیکن اسے یوں لگتا کہ حرم کی سرزمین اس کے پاؤں کو جکڑ رہی ہے۔ بالآخر جب بھائیوں نے وطن روانگی کے لیے اپنا حتمی فیصلہ سنایا تو یاسر نے کہا:

تم جب چاہو یمن کے لیے روانہ ہو جاؤ لیکن میں تو اس مقدس خطۂ زمین کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاؤں گا۔ جس سرزمین میں مجھے خوف و پریشانی میں امن، بے کسی میں قوت اور تنگدستی میں فراخی نصیب ہوئی۔“

یہ سن کر بھائی حارث کو طیش آ گیا، وہ دانت پیستے ہوئے بولا:
”تف ہے تجھ پر! تُو وطن سے زیادہ پردیس کو چاہتا ہے، بنوعنس سے زیادہ قریش کو پسند کرتا ہے۔ خدا کی قسم! تُو یہاں ذلیل ہوگا، پھر مصیبت کے وقت مددگاروں کو ڈھونڈتا پھرے گا لیکن کوئی تجھے منہ نہ لگائے گا۔ خوب سوچ لے، اب بھی تیرے پاس موقع ہے۔“

دوسرا بھائی مالک اسے نرمی سے سمجھانے لگا:
”دیکھو ایک بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے جس کے غم میں ماں باپ ہلکان ہو رہے ہیں، اگر تُو بھی نہ گیا تو اُن پر کیا گزرے گی۔“
”تمھارا جو جی چاہے کرو، لیکن میں یہاں سے اب جانے والا نہیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ قدرت مجھ سے اِس سرزمین میں کوئی کام لینا چاہتی ہے۔“
”ہاں قدرت تم سے غلامی کا کام لینا چاہتی ہے۔ بالفرض اُن لوگوں نے تم سے کچھ ہمدردی بھی کی تو زیادہ سے زیادہ تمھیں اپنا حلیف بنا لیں گے۔ اس صورت میں بھی تم دوسروں کے دستِ نگر ہی رہو گے۔“
”بھائی کہہ تو دیا، تم نے جانا ہے تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا۔“
یاسر نے تنک کر کہا۔
”چھوڑو اس بددماغ کو، اسے سمجھانا اب بے فائدہ ہے۔“
حارث نے ناامید ہو کر اپنے بھائی مالک سے کہا۔

☆......☆

”عنسی نوجوان! تمھارے دونوں بھائی تمھیں چھوڑ کر وطن سدھار گئے۔“
ابوحذیفہ نے اگلی صبح اُس کے ڈیرے میں تنہا بیٹھے ہوئے یاسر بن عامر عنسی کی دلداری کرنے کے لیے بات کی۔
”انھیں پردیس سے زیادہ وطن پسند تھا، وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔“

میری تیری دوستی پکی

آم کی جانب سے شاعر کو مزید سندِ اعتراف

اثر جونپوری

رنگ بکھرایا چار سُو میرا
ذکر پھیلایا کو بہ کو میرا
رنگ میرا تو زردی مائل تھا
کر دیا تو نے سرخ رُو میرا
گرمیاں ہوں کہ سردیاں تُو نے
ساتھ چھوڑا نہیں کبھو میرا
تیری چاہت میں ایسی ٹھنڈک ہے
کیا بگاڑے گی گرم لُو میرا
جب میں چونسے کی شکل میں آیا
چوس تُو نے لیا لہو میرا
چاک دامن جب آیا لنگڑاتا
تو نے دامن کیا رفو میرا
میری تیری ہے دوستی پکی
میں ہوں تیرا اثرؔ ہے تو میرا

6



مولانا ہارون الرشید عادل

سوال: ہر جمعے کو جمعہ مبارک کے پیغامات کی قطار لگ جاتی ہے۔ اگر جواب میں خیر مبارک نہ کہیں تو دوست برا مناتے ہیں۔ کیا جمعہ مبارک پر خیر مبارک کہنا ضروری ہے؟ (ارسلان احمد۔ کراچی)

جواب: جمعے کی مبارک باد کا مطلب جمعہ کے دن کے بابرکت ہونے کی دعا دینا ہے، اور برکت والے دن برکت کی دعا دینے میں بذاتِ خود حرج نہیں ہے، البتہ اس طرح مبارک باد دینے کا التزام واہتمام کرنا اور اسے دین کا حصہ سمجھنا اور مبارک باد نہ دینے والے کو (یا جواب نہ دینے والے کو) برا سمجھنا اور کہنا جائز نہیں۔

(استفادہ: دارالافتا: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

کبھی سوچیے تو سہی!

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمہ اللہ

کبھی سوچیے تو سہی کہ وہ کیا چیز تھی، جس کی وجہ سے ابلیس کو آسمانوں کی ملکوت سے نکلنا پڑا۔ وہ دائمی لعنت کا مستحق بنا۔ اس کے ظاہر اور باطن کو مسخ کردیا گیا۔ اس کے لیے رحمت کو لعنت میں اور جنت کو آگ میں بدل دیا گیا؟

آخر کیا وجہ تھی کہ اہلِ زمین کو پانی کی طوفانی موجوں میں غرق کردیا گیا، یہاں تک کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی تجاوز کر گیا؟

قومِ عاد پر ایسی ہوا کیوں مسلط کی گئی جس نے انھیں اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخا؟ ان کی بدبودار لاشوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا گویا کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

قومِ ثمود کو اس خوفناک زلزلے اور چنگھاڑ کا کیوں سامنا کرنا پڑا؟ جس سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔

زمین پر شاداں وفرحاں بسنے والی قومِ لوط کی بستیوں کو آسمانوں کے قریب تک کیوں اٹھایا گیا؟ یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آواز اہلِ آسمان نے سن لی پھر انھیں پٹخ دیا گیا، اوپر کو نیچے کردیا گیا اور وہ سب ہلاک ہو کر رہ گئے۔

اہلِ مدین پر بادل کا عذاب کیوں آیا؟ جسے دیکھ کر وہ سمجھے تھے کہ ان پر بارش برسے گی لیکن اس بادل سے آگ برسی جس نے انھیں زندہ جلا دیا۔

فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں کیوں ڈبویا گیا؟ ان کے جسم غرق ہوگئے اور ان کی روحیں جلنے کے لیے رہ گئیں۔

سورہ یٰسین میں جن سرکشوں کا ذکر ہے وہ ایک ہی چیخ میں بجھی ہوئی راکھ کیوں بن گئے؟

وہ بنی اسرائیل جنھیں اللہ کے چہیتے اور انبیاء کی اولاد ہونے کا دعویٰ تھا، ان پر ایسی وحشی اور طاقتور قوم کیوں مسلط کردی گئی جو گھروں میں گھس گئی، انھوں نے مردوں کو قتل کردیا، خواتین اور بچوں کو گرفتار کرلیا، گھر جلا دیے، اموال لوٹ لیے، کچھ عرصے کے وقفہ اور مہلت کے بعد دوبارہ ان کے ساتھ یونہی ہوا اور انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا، کیوں؟

آخر سوچیے تو سہی اور سوچنے میں حرج ہی کیا ہے کہ ان اقوام پر تباہی و بربادی اور عذاب اور ہلاکت مسلط کیے جانے کا کیا سبب تھا؟

اللہ کی قسم! اس کا سبب سوائے اللہ کی نافرمانی کے اور کچھ نہ تھا۔ اللہ کی نافرمانی سے ڈریے اور بچیے، اگر کبھی ہوجائے تو فوراً سچی توبہ میں لگیے۔

مرسلہ : حسن داؤد ۔ کراچی

''اور تمھیں وطن سے زیادہ پردیس پسند آیا، تم پردیس میں ٹھہر گئے۔''

ابوحذیفہ نے کہا۔

''نہیں یہ بات نہیں۔'' یاسر نے کہا

''...... بلکہ مجھے پرامن حرم مکہ زیادہ پسند آگیا اور میں نے ضلالت وگمراہی کی جگہوں کو چھوڑ کر بیت اللہ کی ہمسائیگی اختیار کرلی۔''

''اچھا اب تم مکہ میں کیا کام کرنا چاہتے ہو؟'' ابوحذیفہ نے پوچھا۔

''بس اِدھر اُدھر سے روزی تلاش کروں گا۔''

''جب تک تم میرے پاس ہو، روزی کی فکر نہ کرو، وہ تو تمھیں ملتی ہی رہے گی۔''

''بزرگ سردار! تم پر میرے ماں باپ قربان، بنو مخزوم کا نام تم سے روشن ہے، تم قریش کی عزت اور بطحا کی لاج ہو، خدا کی قسم! تم بڑے سخی اور کریم انسان ہو، تم راہ گیروں کی خبر گیری اور فاقہ زدوں کی مہمان نوازی کرتے ہو، سائل کو نوازتے، تنگدستوں کی مدد کرتے اور مظلوموں کی فریاد رسی کرتے ہو۔ ہمسایوں کی پشت پناہی اور فقیروں اور غریبوں کی مدد کرنا تمھارا شیوہ ہے......!''

''بس کرو نوجوان بس!'' ابوحذیفہ نے یاسر کو بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا: ''تم نے شکریہ کیا ادا کیا، تعریف کے پل باندھ دیے۔ اللہ کرے کہ میں ایسا ثابت ہو سکوں، جیسا تم نے گمان کیا ہے، البتہ ایک بات ہے کہ تم ذکاوت وفصاحت میں اہلِ مکہ سے کم نہیں ہو۔ میری خواہش ہے کہ جب تک تم اس شہرِ امن میں ہو، میرے پاس رہو۔'' (جاری ہے)

طاقت ور

زیست فاطمہ۔لاہور



سردی کی دوپہر تھی، مختصر اور خاموش۔

سورج غروب ہونے میں جلدی مچاتا تھا۔ ایسے میں کئی کام ادھورے رہ جاتے تھے۔اس لیے صبح سویرے ہی کام ختم کر لیے جاتے تھے۔

یوں تو امی اور دادی قیلولے کے لیے بس بطورِ سنت لیٹتی تھیں، مگر آج جب دونوں لیٹیں تو دونوں ہی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ابھی آنکھ لگے دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ باہر سے شور کی آواز کانوں میں پڑی۔ پہلے دادی اماں کی آنکھ کھلی، ہڑبڑا کر انھوں نے ساتھ سوئی بہو کو اٹھایا:

''ارے بیٹا! ذرا دیکھنا تو باہر شور کیسا ہے؟''

''جی امی جان! دیکھتی ہوں۔''

امی نے جلدی سے پیروں میں جوتی اڑسی اور باہر کی طرف بھاگیں۔

باہر پہنچ کر جب سامنے منظر پہ نگاہ پڑی تو سر تھام کر رہ گئیں۔

اُن کے دونوں جڑواں بیٹے عاشر اور حاشر آپس میں گتھم گتھا تھے۔

امی کی پکار پر بھی جب دونوں نے لڑنا بند نہیں کیا تو مجبوراً امی کو خود پاس جا کر دونوں کو روکنا پڑا۔

''اب بتائیے، آپ دونوں کیوں لڑ رہے تھے؟''

امی نے دونوں کو سامنے بٹھا کر نرمی سے پوچھا تو عاشر کا حوصلہ بڑھا، فوراً بول اٹھا۔

''امی حضور! حاشر نے میری جیومیٹری باکس توڑ دی۔''

حاشر بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا، جلدی سے بولا:

''نہیں امی حضور! یہ غلط کہہ رہا ہے۔ اس نے ایک دن پہلے میرا اسکیل توڑ دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے مدرسے میں استادِ محترم سے ڈانٹ بھی پڑ گئی تھی۔''

''تو بیٹا! آپ نے جیومیٹری باکس کیوں توڑا؟''

امی نے سوالیہ نگاہوں سے حاشر کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

''امی حضور! اس نے میرا اسکیل توڑ دیا میں نے اس کی جیومیٹری باکس توڑ دی، بدلہ برابر ہو گیا۔''

حاشر نے کندھے اچکاتے ہوئے مزے سے کہا تو امی افسوس سے سر ہلا کر رہ گئیں۔ اس سے پہلے کہ کچھ بول پاتیں، انھیں اپنے پیچھے اماں کے کھنکھارنے کی آواز سنائی دی۔

دادی اماں آہستہ آہستہ چلتی ہوئیں اپنے پیارے پوتوں کے پاس آ بیٹھی تھیں۔

امی جانتی تھیں کہ دادی اماں پیار سے دونوں کی اصلاح کر دیں گی، اس لیے وہ مطمئن سی باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

پیچھے دادی اماں عاشر اور حاشر رہ گئے تھے۔

''ہاں تو حاشر بیٹے! ذرا بتائیے کہ دوپہر میں کیوں شیطان کو خوش کیا جا رہا تھا؟''

دادی اماں نے عینک صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

جواباً حاشر نے عاشر کی اسکیل توڑنے والی غلطی سے لے کر اپنا کارنامہ کہہ سنایا۔

دادی اماں نے مسکرا کر اپنے ذہین، نٹ کھٹ اور شرارتی سات سالہ پوتوں کو دیکھا، جو جھگڑالو نہیں تھے بس اصلاح کی ضرورت تھی۔

''ادھر آئیے دونوں...... بیٹھیے!'' دادی اماں نے دونوں کو دائیں بائیں بٹھالیا۔

''ہاں تو اب حاشر بیٹے! اب یہ بتائیے کہ سب سے زیادہ تکلیفیں کون سی ہستی کو پہنچائی گئیں؟''

''ہمارے آخری نبی ﷺ کو!'' حاشر نے جھٹ سے جواب دیا۔

''شاباش مگر آپ ﷺ بدلہ لینا چاہتے تو کیا لے سکتے تھے؟''

''جی بالکل!'' جواب حاشر کی بجائے عاشر کی طرف سے آیا۔

ختمِ نبوت کہانی

جسے آنکھ نہ لے

حافظ عبدالرزاق خان

وہ زندگی میں پہلی بار شاپنگ کے لیے گھر سے نکلی تھی، اسی لیے قدرے سہمی ہوئی بھی تھی اور دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

خاوند نے تو پہلے دن سے اجازت دی تھی کہ چھوٹا موٹا سودا سلف خود لے آیا کرو مگر وہ کبھی گھر سے اکیلے نہیں نکلی تھی۔ آج جو یہ ہمت پیدا ہوئی تھی اُس کے پیچھے اس کی پڑوسن شہلا کی محنت تھی، جس نے ترغیبِ بسیار کے بعد اسے آمادہ کیا تھا۔

''اف! کتنا مشکل کام ہے بازار میں مارے مارے پھرنا۔''

وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

نیا نیا تجربہ تھا اس لیے ایک ہی وقت میں ان بازاروں میں بھی گھوم گئی جہاں سے کچھ خریداری بھی نہیں کرنی تھی۔ سب سے زیادہ جی اُس وقت خراب ہوا جب گوشت مارکیٹ میں قدم رکھا۔ کلیجی خریدنی تھی مگر کلیجہ منہ کو آ گیا۔ آواز بھی صحیح طریقے سے نہیں نکل رہی تھی۔ قصاب کا اصرار تھا کہ کلیجی تو ختم ہو گئی اس کی متبادل اوجھڑی موجود ہے اسے لے لو۔ اُدھر قصاب اوجھڑی کے فوائد گنوا رہا تھا اِدھر اس کا دل متلی ہو رہا تھا۔ بار بار اس 'مخصوص آئیٹم' پر نظر ڈالتی مگر فوراً ہی گھن کھا کر نظر پھیر لیتی۔

الغرض ایک تلخ تجربے کے بعد واپسی ہوئی تو توبۃ النصوح سا عزم ہمراہ تھا۔

شہلا نجانے کب سے منتظر بیٹھی تھی۔ اس کی واپسی پر چیکی مگر یہ کیا تین گھنٹے کی شاپنگ میں تین سو روپے کی خریداری بھی نہ کی۔

شہلا چپ نہ رہ سکی: ''یہ کیا؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں خریدا۔''

''بس بہن! کیا خریدتی، دل ہی نہیں آیا کسی چیز کی خریداری پر۔''

''پھر بھی تمھیں کلیجی خریدنا تھی اور چقندر وغیرہ بھی، کچھ تو خریدتیں۔''

شہلا حیران تھی۔

''کیا خریدتی؟ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگا۔ وہ کہا ہے ناں کسی نے کہ جسے آنکھ نہ لے اسے آنت کیسے لے؟''

''اچھا تو یہ بات ہے، چل چھوڑ پہلی بار ایسے ہی ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ خود تجربہ کار ہو جاؤ گی...... مجھے تو یہ بتا اب کہ اُس بارے میں کیا سوچا؟''

''کس بارے میں؟'' جمائی لیتے ہوئے اس نے کہا۔

''وہی جماعتِ احمدیہ کی ممبرشپ!'' شہلا نے یاد دلایا۔

''اوہ میں تو بھول بھی گئی تھی۔ دیکھ شہلا! ٹھیک ہے تُو میری پڑوسن ہے اور پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں مگر تیری یہ بات میں کبھی نہیں مانوں گی، بلکہ تجھے بھی جو اِن لوگوں نے شکار کر لیا ہے تو میں اس دلدل سے تجھے نکال کر رہوں گی، بھلا میں کیونکر صاحب جمال ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے ایک کانے شخص کو اپنا پیشوا تسلیم کر لوں۔ چل اسی بات پر ایک لطیفہ یاد آیا، سن! ایک مرزائی کسی ہندو کو دعوت دے رہا تھا کہ مرزا کی نبوت تسلیم کر لو، موجیں ہو جائیں گی۔

الغرض اس نے بڑا زور لگایا مگر جب محفل برخاست ہوئی تو ہندو یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا کہ ابھی تو ہم سچے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لائے اور تم اِس جھوٹے کی بات کرتے ہو۔''

قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ شہلا کا منہ اترا ہوا ہے۔

اس نے فوراً موقع کی مناسبت سے کہا:

''دیکھ شہلا جسے آنکھ نہ لے اسے دل کیسے تسلیم کرے۔''

رہی سہی کسر اِس جملے نے پوری کر دی۔

شہلا نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں گہری ہتی چلی گئی۔ ☆☆☆

''ہوں...... تو آپ ﷺ بدلہ لے سکتے تھے، مگر کیوں نہیں لیتے تھے؟''

''اس لیے کہ معاف کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور رسول اکرم ﷺ بدلہ لینا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔'' حاشر نے مدبرانہ جواب دیا۔

''شاباش! اب بتائیں آپ دونوں میں سے کون طاقت ور ہے؟''

''میں!'' حاشر فوراً بولا، بطور ثبوت اپنے پھولے پھولے بازو دکھانے لگا۔

''نہیں میرے پیارے بچو! طاقت کا تعلق جسم کی مضبوطی سے نہیں، بلکہ کردار سے ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''وہ آدمی طاقت ور نہیں جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہے، بلکہ وہ آدمی طاقت ور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا ہو۔''

دادی اماں نے حدیث پاک سنا کر دونوں کی جانب دیکھا۔

پھر حاشر کو مخاطب کیا جو شرمندہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''کیا سمجھے حاشر بیٹا! اگر بھائی نے آپ کا اسکیل توڑ دیا تھا تو آپ کو چاہیے تھا کہ اپنے غصے کو دبا کر پیار سے بھائی کو سمجھاتے، پھر آپ طاقت ور کہلاتے۔ اب بتائیے کون طاقت ور اور اللہ کے ہاں محبوب بننا پسند کرے گا؟''

''ان شاء اللہ میں!'' حاشر اور عاشر نے یک زبان ہو کر کہا۔

''کس طرح؟''

دادی نے شفقت سے دونوں کے سر کے بال سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''اس طرح کہ جب میرے ساتھ کوئی بری بات کرے گا تو میں اس کا بدلہ اچھی بات سے دوں گا اور اپنے دل کی بات نہیں مانوں گا۔''

عاشر نے جلدی جلدی کہا تو دادی نے نہال ہو کر دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

امی جو کسی کام سے آئی تھیں اتنا پیارا منظر دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''شکر اللہ کا جس نے اس گھر کو بڑوں سے آباد رکھا ہے۔''

امی نے محبت سے اپنی ساس کو دیکھا اور پلٹ گئیں۔

☆☆☆

کایا پلٹ

وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا تھا، پھر ایک دن سب کچھ بدل گیا! ایک منفرد کہانی، جس میں حیرت بھی ہے اور سبق بھی

آخری قسط

محمد فضیل فاروق

دوسرے دن صبح اُس کی آنکھ کھلی تو اسے سب کچھ یاد آ گیا۔

چھت کو دیکھتے ہوئے اُس کے دل میں امید پیدا ہوئی کہ اب شاید یہ بھیانک خواب ختم ہو چکا ہوگا، مگر اردگرد دیکھتے ہی امید ختم ہو گئی۔ بے ساختہ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسے اپنے امی ابو اب بہت زیادہ یاد آ رہے تھے۔

دوسری طرف خالہ جان کی تکلیف بھی اب اُس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ ناشتے میں وہ اسے بہت ہی کمزور اور بیمار لگیں۔ اُس کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔

ناشتے کے بعد وہ مرے مرے قدموں سے وہی میلا سا یونیفارم پہن کر اسکول پہنچا۔

اُس دن بھی اسکول میں ساتھی طلبہ اُس کا طرح طرح سے مذاق اڑاتے رہے۔

آدھی چھٹی میں اُس دن احمد کے لائے لنچ میں اُس نے بالاصرار احمد کو بھی شامل کیا۔ احمد نے اُس سے کل کی کارگزاری سنی تو فراز نے دیہاڑی نہ ملنے والی بات چھپالی، ورنہ دوا والی بات بھی اسے بتانی پڑتی اور احمد کو تکلیف ہوتی۔

وہ پہلا دن تھا، جب اسے دوسروں کی اور خاص طور پر احمد کی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ احمد آج اس کے دراز سے بہت سے پیسے نکال لایا تھا۔ وہ اس نے اسے دے دیے، جو اس نے جیب میں رکھ لیے۔ دونوں اُس دن بھی کافی دیر اس مسئلے پر بات کرتے رہے، مگر اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔

چھٹی کے بعد اُس دن بھی دکان پر اس سے بہت غلطیاں ہوئیں۔ شبیر سیٹھ نے اس دن بھی اسے بڑی باتیں سنائیں، مگر آج اسے دیہاڑی مل گئی تھی۔ تبھی اس نے استاد کی دکان سے واپسی پر احمد کی امی کے لیے ساری دوائیں خرید لیں۔

آج گھر جاتے ہوئے وہ خوش تھا کہ اسے خالہ جان کا اداس چہرہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

وہ خوشی خوشی مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتا سلام کرتا گھر میں داخل ہوا۔ چھوٹی بہن گھر کے صحن میں ایک پرانی سی میز پر موم بتی کی مدھم سی ٹمٹماتی روشنی میں کتاب پر جھکی ہوئی تھی۔

اس نے سلام کا جواب دیا اور بے چینی سے پوچھا:

''بھائی! آج آپ دوائیں لائے ہیں؟''

''ہاں ہاں! لایا ہوں۔ امی کی طبیعت کیسی ہے؟''

''امی کی طبیعت آج کچھ بہتر محسوس ہو رہی ہے، مگر کمزوری بہت ہے۔ دن بھر بستر سے نہیں اٹھیں، ہلکا بخار ہے۔''

''اوہ! چلو امی کو دوا دیتے ہیں۔'' وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔

خالہ جان کرسی پر بیٹھیں نماز پڑھنے میں مصروف تھیں۔

امی نے سلام پھیرا تو فراز نے جا کر اُن کا ہاتھ تھاما اور اُس کا بوسہ لیا۔

امی نے مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیتے ہوئے پوچھا: ''تم دوا لائے ہو؟''

''جی امی! مگر پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے کچھ کھایا پیا بھی ہے؟''

''مجھے کچھ کھانا پینا اچھا نہیں لگ رہا بیٹا۔''

امی نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

''ارے امی! آپ کو اچھی غذا نہ ملنے کی وجہ سے کمزوری ہے اور کچھ نہیں، اور بند کمرے میں بستر پر پڑے پڑے بھی کوئی صحت یاب ہوا ہے بھلا؟ آپ کو تازہ ہوا اور اچھی غذا کی ضرورت ہے۔ اِس لیے میں نے سوچا ہے کہ ہم سب آج باہر چل کر کھانا کھائیں گے۔ کیوں عائشہ! ٹھیک ہے ناں؟''

''زبردست تجویز! آج موسم بھی بہت خوشگوار ہے مگر......''

عائشہ بولتے بولتے رک گئی۔ شاید اسے خیال آیا تھا کہ کھانے کے پیسے کہاں سے آئیں گے۔

فراز نے اُس کا خیال بھانپ لیا، فوراً بولا:

''ارے! اگر مگر کی فکر مت کرو تم، بس جلدی سے تیار ہو جاؤ اور امی کو بھی تیار کرو۔ میں بھی نہا دھو کر کپڑے بدل لوں، پھر چلتے ہیں۔''

آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ سب گھر کے باہر والے پارک میں بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

امی کے چہرے پر بشاشت رونما ہو گئی تھی۔ آج بہت دنوں بعد مسکراہٹوں اور مسرتوں کو انھوں نے محسوس کیا تھا۔

جواہرات سے قیمتی

☆ علم کے ساتھ عمل اور دولت کے ساتھ شرافت نہ ہو تو دونوں بے کار ہیں۔

☆ بلندی پر جانے کے لیے دوسروں کو گرانا ضروری نہیں۔

☆ ہر اچھا اور بڑا کام ابتدا میں ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

☆ احسان، دشمن کو بھی زیر کر لینے والی طاقت ہے۔

☆ دوستی برف کے گولے کی طرح ہے، جسے بنانا تو آسان مگر برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔

☆ اگر تیری دونوں آنکھیں سلامت ہیں، تب بھی ایک آنکھ والے کو حقارت سے نہ دیکھ، ممکن ہے وہ تجھ سے زیادہ صاحبِ نظر ہو۔ (عائشہ انجم۔ ملتان)

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب ٹہلتے ہوئے قریب ہی ایک اچھے ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔فراز یہاں اپنے امی ابو کے ساتھ کئی بار پہلے بھی آ چکا تھا۔

فراز نے کھانے کا آرڈر دیا۔

خالہ جان اور عائشہ حیران ہو رہی تھیں۔خالہ جان بار بار اُسے منع کر رہی تھیں، مگر وہ کہنے لگا کہ امی! آج مجھے نہ روکیں۔آج استاد نے دیہاڑی دی ہے اور میرا دل بھی چاہ رہا ہے کہ ہم مل کر یہاں کھانا کھائیں۔''

امی چپ ہو گئیں۔تھوڑی دیر بعد وہ سب اللہ تعالیٰ کی خوش ذائقہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اسی طرح ہنسی خوشی میں وقت گزرنے کا انھیں احساس تک نہ ہوا۔آخر فضائیں اللہ کی کبریائی کی روح پرور صداؤں سے گونجنے لگیں۔عشا کی اذان ہوتے ہی وہ سب واپسی کی راہ پر ہو لیے۔

راستے سے فراز نے بہت سارے پھل بھی خریدے۔

اُس نے کن اکھیوں سے خالہ جان کو دیکھا، وہ اس وقت اتنی تازہ دم لگ رہی تھیں، جیسے کبھی کوئی بیماری اُن کے پاس بھی نہ پھٹکی ہو۔

انھیں خوش دیکھ کر فراز کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔

گھر پہنچ کر خالہ جان اور عائشہ نماز کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور فراز مسجد کی طرف چل پڑا۔

نجانے کتنے عرصے بعد آج اُس کے قدم مسجد کی طرف اٹھ رہے تھے۔

نماز پڑھ کر وہ گھر آیا تو بستر پر آ لیٹا۔

کل کے مقابلے میں آج کھردری چارپائی پر لیٹ کر اُسے جو سکون محسوس ہوا تھا، وہ اسے کبھی اپنے نرم گدے پر بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

آج اُس کا بہت اچھا دن گزرا تھا، اور اسے احمد کے گھر میں زیادہ اجنبیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ویسے بھی وہ لوگ دو سال پہلے تک کافی گھل مل کر رہا کرتے تھے۔دونوں گھرانوں کی عادات و اطوار کافی حد تک ملتے جلتے تھے۔

اسی وجہ سے اُدھر فراز کے گھر احمد کو بھی زیادہ مشکلیں جھیلنی نہ پڑی تھیں۔

آج فراز بستر پر لیٹا احمد کے ساتھ اپنے اور دوسرے ہم جماعتوں کے ناروا سلوک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

دو دن سے جو کچھ اُس کے ساتھ اسکول میں ہو رہا تھا، اُس نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔

اِس وقت اُسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔وہ زیرِ لب اللہ تعالیٰ سے اپنے رویے کی معافی مانگتا رہا اور اپنے امی ابو سے ملنے کی دعا کرتا رہا۔

اللہ میاں سے باتیں کرتے کرتے وہ نجانے کب سو گیا۔

☆......☆

وہ اللہ کی کبریائی کی صدا تھی، جس سے اُس کی آنکھ کھلی تھی۔

''اوہ فجر کا وقت ہو گیا۔''

اُس نے زیرِ لب کہا۔اُسے ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا کہ کتنے عرصہ پہلے اُس نے فجر کی نماز پڑھی تھی۔

وہ اچھل کر چارپائی سے اترنے لگا تو لڑکھڑا گیا۔

وہ چارپائی نہیں تھی، بلکہ اُس کا نرم و گداز بستر تھا۔

اُس نے چونک کر ارد گرد دیکھا۔

وہ اپنے کمرے میں، اپنے بستر پر تھا۔

وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

سامنے لگے آئینے پر نگاہ پڑی تو خوشی سے اُس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھا اور آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

دو دن بعد وہ ایک بار پھر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

مگر نہیں، یہ اُس کا دو دن پہلے والا چہرہ نہیں تھا۔وہ آج آئینے میں ایک بالکل بدلا ہوا فراز دیکھ رہا تھا۔

وہ اسی حالت میں سجدے میں گر گیا۔

اللہ میاں نے اُسے معاف کر دیا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے اور احمد کے ساتھ کیا ہوا تھا، مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی توبہ قبول کر کے اسے ایک بار پھر موقع دیا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر رات کا عہد دل ہی دل میں دہرایا کہ آج سے اُس کا سب سے اچھا دوست اُس کا بھائی احمد ہو گا اور وہ آج ہی دونوں گھرانوں کے درمیان پڑی اجنبیت کی چادر کو چاک کر کے پھر سے رشتے داری کو بحال کرے گا۔

خالہ جان اور ان کے بچوں کو اُن کا حق دلانے کے لیے امی ابو کو سمجھاتا رہے گا۔

اُس نے آئینے میں خود کو ایک بار پھر دیکھا اور بے ساختہ اُس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

☆☆☆

مُسلمان کی آبرو کی حِفاظت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اسے بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے۔'' (حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا کہ) ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے (پھر فرمایا کہ) کسی آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے۔اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔''

(صحیح مسلم)

انوکھے ہوٹل

ملک محمد احسن۔ راولپنڈی

''ہوٹل'' فرانسیسی زبان کے لفظ ''ٹاؤن ہاؤس'' سے ماخوذ ہے۔ یہ مسافروں کے کچھ دیر ٹھہرنے کے لیے بنائی گئی جگہوں کو کہا جاتا تھا، مگر وہاں رہائش کی سہولت میسر نہیں ہوتی تھی۔ ٹیکساس ٹیک یونیورسٹی کے مطابق انگریزی کا لفظ ہاسپیٹیلٹی (Hospitality) لاطینی مادے سے بنا ہے جس کا مطلب میزبانی یا عارضی قیام گاہ ہے۔ شروع شروع میں نجی رہائش گاہوں کو ہوٹل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ رومی سلطنت کے زیر اثر دوسرے شہروں اور ملکوں سے آنے والے مسافروں کی حوصلہ افزائی اور آسائش کے لیے سراؤں اور ہوٹلوں کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا گیا۔

دنیا بھر میں اس وقت کئی ہوٹل اپنی خوب صورتی، دلکشی، آسائشات، انفرادیت اور انوکھے پن کی وجہ سے مشہور ہیں، تاہم زیر تحریر مضمون میں ہم آپ کو کچھ ایسے ہوٹلوں کے بارے میں بتائیں گے، جن تک سڑک کے ذریعے پہنچنا ممکن نہیں۔ ان ہوٹلوں تک پہنچنے کے لیے جو ذرائع آمد ورفت درکار ہیں، ان میں کشتی، کیبل کار، اسپیڈ بوٹ، گھوڑے وغیرہ شامل ہیں، جبکہ کچھ ہوٹلوں تک پہنچنے کے لیے آپ کو پیدل مارچ بھی کرنا ہوگا۔

بورنگ آئی لینڈ ہوٹل، برطانیہ: یہ انوکھا ہوٹل جنوبی ڈیون کے ساحل پر واقع ہے، جہاں تک رسائی سمندری راستے سے اسی وقت ممکن ہے جب سمندر اترا ہوا ہو، تاہم وہاں تک کا سفر کافی پرلطف اور ایڈونچر کا باعث ہوتا ہے۔ یہاں کے کمروں کی سجاوٹ ماضی کے برطانوی کلچر کی یاد دلاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم وقت کا سفر طے کرتے ہوئے صدیوں سال پہلے کے دور میں پہنچ گئے ہیں۔

ایسٹیبیا رکا نو ہوٹل، ارجنٹائن: ارجنٹائن کے پارک نیشنل لاس گلیشیرز کے مہم جوئی سے بھرپور ماحول کے ساتھ ریوالیکٹریسو کی خوب صورت وادی کی سیر کے ساتھ ساتھ آپ کو دو گھنٹے پیدل چل کر اس ہوٹل تک پہنچنے کا موقع ملتا ہے۔ درحقیقت یہ چھوٹے چھوٹے گھروں اور ایک ریسٹورنٹ پر مشتمل ہے، تاہم یہاں آنے والے زیادہ تر کوہ پیما ہوتے ہیں۔

جولیز انڈرسی لاج، فلوریڈا، امریکا: اگر آپ کو سمندر کی گہرائیاں پسند ہیں تو وہاں کی سیر کے دوران کچھ دیر آرام کے لیے یہ ہوٹل برا نہیں۔ اس سے ہٹ کر بھی وہاں کوئی جانا چاہے تو اس کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہیں تاہم اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ اسکوبا ڈائیونگ کے ہنر سے واقف ہوں۔ اس ہوٹل میں آپ کو ایک بکس نما ڈبے میں رہنے کا موقع فراہم کیا جائے گا جہاں سے آپ سمندری حیات کا نظارہ کرسکیں گے۔ یہاں آپ کو پیزا ڈیلیوری کی سہولت بھی میسر ہوتی ہے تاکہ بھوکا نہ رہنا پڑے کیونکہ اس ہوٹل کا اپنا کوئی ڈائننگ روم نہیں۔

ہوٹل انا پورنا، شمرو لیج، نیپال: نیپال میں تا حال گاڑیوں کے ذریعے سفر کرنا کافی نیا لگتا ہے، خاص طور پر ہوٹل انا پورنا تو دنیا بھر سے کٹا ہوا ہے۔ یہ ماضی میں ایک مشہور تجارتی گزرگاہ تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر آپ یہاں جانا چاہتے ہیں تو کسی گاڑی سے اس کے قریبی علاقے میں پہنچ کر بھی آپ کو پیدل تین روز تک سفر کرنا پڑے گا، تاہم گھوڑے پر سفر کرکے یہ مسافت اور مشقت کافی حد تک کم کی جاسکتی ہے۔

ہوٹل پیلاٹوس، لوزارنے، سوئٹزرلینڈ: یہ انوکھا ہوٹل 1890ء میں تعمیر ہوا تھا مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہاں نہ تو گاڑی کے ذریعے پہنچا جاسکتا ہے اور نہ ہی پیدل، بلکہ آپ کو کیبل کار یا دنیا کی سب سے نچلی شکنجہ دار ریل سروس یا کوگ ریل کی مدد لینی پڑے گی، ورنہ یہاں پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ تاہم اگر آپ مہم جوئی کے ساتھ ساتھ قدرتی خوب صورتی کو بھی پسند کرتے ہیں تو ضرور جائیے۔

ایل پیڈرینو ریفوگیو، چلی: اس ہوٹل کے سامنے سڑک نظر آئے گی مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں جاتی بس گھوم کر وہیں آجاتی ہے۔ یہاں کی سوئیوں کی طرح سیدھی چوٹیوں، جھیلوں اور سنسان جنگل لگتا ہے جیسے ہم دنیا کے آخری کونے میں پہنچ گئے ہوں۔ اس ہوٹل تک رسائی صرف کشتی یا چھوٹے طیارے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

قدرتی برف سے بنے ہوٹل: فن لینڈ میں میموٹ سنو ہوٹل کیمی سٹو کیسل کی چار دیواری کے اندر بنایا گیا ہے۔ یہ دنیا کا قدرتی برف سے بنا سب سے بڑا ہوٹل ہے۔ اس میں میموٹ سنو ہوٹل، کیسل کورٹ یارڈ، دا سنو ریسٹورنٹ اور شادیوں کے لیے ایک چرچ بھی ہے۔ اس کی تمام تزئین وآرائش برف سے کی گئی ہے۔

قدیم ترین ہوٹل: گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق دنیا کا قدیم ترین ہوٹل جو ابھی تک استعمال ہو رہا ہے، جاپان کا ہوشی ریوکن ہوٹل ہے جو اوازو کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ 717 عیسوی میں کھولا گیا تھا اور اس میں گرم پانی کے چشمے بھی ہیں۔

بار کلے ریور لاج، کیمبرے، آسٹریلیا: اگر آپ صحرائی ایڈونچر کا مزہ لینا چاہتے ہیں تو بار کلے ریور لاج آپ کے لیے بہترین منزل ثابت ہوسکتی ہے۔ کیمبرے کے اتھلے ساحل پر واقع اس ہوٹل تک رسائی کے لیے آپ کو کسی نجی طیارے، کشتی یا ہیلی کاپٹر کی مدد لینا پڑے گی۔ یہاں پہنچ کر آپ کو ہر طرح کا آرام وطعام ملے گا، البتہ آس پاس جنگلی حیات کی بھرمار بھی ہوسکتی ہے جو کہ نیند اڑنے کا سبب بن سکتی ہے۔

تاج لیک پیلس، راجھستان، بھارت: تاج لیک پیلس، پیکولا جھیل کے

یوگوسلادیہ کی لوک کہانی

احسان کا بدلہ

سعید لخت

پت جھڑ کا موسم تھا اور سہ پہر کا وقت تھا۔ ایک عورت شاہ بلوط کے پیڑ تلے بیٹھی اپنے بچے کی ٹوپی سی رہی تھی۔ کبھی کبھی، سر اٹھا کر، بچے کی طرف دیکھ لیتی جو پاس ہی پنگوڑے میں لیٹا، میٹھی نیند سو رہا تھا۔ پنگوڑا ہلتے ہلتے رک جاتا تو وہ ہاتھ بڑھا کر اسے ہلا دیتی۔

پہاڑوں کی طرف سے آتی ہوئی ٹھنڈی ہوا شاہ بلوط کے پتوں میں سرسرا رہی تھی اور جھاڑیوں میں پُھدکتے ہوئے پرندے خوشی سے چہچہا رہے تھے۔

ایسے میں اچانک عورت کو اپنے پیچھے دھپ دھپ کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک جھاڑی زور سے ہلی۔ عورت نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بھورے رنگ کا ایک موٹا تازہ بھالو جھاڑیوں کی ٹہنیوں کو توڑتا اور گھاس کو روندتا ہوا اُس کی طرف آ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر عورت کا خون خشک ہو گیا۔ سانس گلے میں اٹک گئی۔ آنکھیں مارے خوف کے ابل آئیں۔ وہ جلدی سے اٹھ کر پنگوڑے کی طرف لپکی کہ بچے کو اٹھا کر گھر کی طرف بھاگ جائے، لیکن بھالو چشم زدن میں سر پر آ پہنچا اور اس کا راستہ روک لیا۔ اُس کا سیدھا پنجہ آگے کو پھیلا ہوا تھا اور وہ ایسی آوازیں نکال رہا تھا جیسے سخت تکلیف میں ہو۔

عورت بے چاری اتنی ڈری ہوئی تھی کہ پورے بدن سے کانپ رہی تھی، اسے اپنی نہیں اپنے بچے کی فکر تھی، لیکن بھالو کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اُس پر حملہ کرنا نہیں چاہتا۔

یہ بات محسوس کر کے عورت نے ہمت کی اور بھالو کے پنجے کو دیکھا۔

پنجے میں ایک موٹا سا، نوکیلا کانٹا چبھا ہوا تھا!

''اوہ.....'' یکلخت جیسے عورت ساری بات سمجھ گئی۔ اس نے کہا ''لاؤ میں یہ کانٹا نکال دوں، تمھیں تکلیف ہو رہی ہو گی۔''

اس نے ٹوپی میں سے سوئی نکالی اور بھالو کے پنجے میں سے کانٹا نکال دیا۔

''لو، کانٹا نکل گیا۔ اب تو تمھیں تکلیف نہیں ہو رہی؟'' عورت نے پوچھا۔

لیکن بھالو نے نہ ''ہاں'' کیا نہ ''نہ''، اس نے لمحہ بھر میں بچے کو پنگوڑے میں سے اٹھا کر زمین پر پٹخا اور پنگوڑا لے کر بھاگ گیا۔

عورت نے روتے ہوئے بچے کو زمین پر سے اٹھایا اور بولی: ''واہ وا! تم نے میری نیکی کا اچھا بدلہ دیا۔ اب کبھی تمھیں مدد کی ضرورت پڑے تو یہاں نہ آنا، کہیں اور جانا۔''

بچہ سوتے سے اٹھا تھا اور ایسے پھینکنے سے اسے تکلیف بھی ہوئی تھی، وہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ عورت بچے کو گھر لے آئی اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی۔

اسے ڈر تھا کہ ناشکرا بھالو پھر نہ آ جائے۔

شام کو عورت کا خاوند گھر آیا تو اس نے کہا:

''یہ اتنی ساری ناشپاتیاں کہاں سے آئیں؟ اور تم نے انھیں پنگوڑے میں کیوں رکھا ہے؟''

''کون سی ناشپاتیاں؟'' اس کی بیوی نے پوچھا۔

''وہی جو دروازے کی دہلیز پر پنگوڑے میں پڑی ہیں۔'' خاوند نے کہا۔

''کیوں مذاق کرتے ہو؟'' بیوی ہنس کر بولی۔

شوہر نے کہا:

''میں مذاق نہیں کر رہا، چل کر خود دیکھ لو۔''

عورت نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

دروازے کی دہلیز پر سچ مچ پنگوڑا رکھا تھا اور پنگوڑے میں منہ تک، میٹھی میٹھی، پیلی پیلی ناشپاتیاں بھری ہوئی تھیں۔

بھالو نے اس کے احسان کا اچھا بدلہ دیا تھا۔

دونوں میاں بیوی ایک ماہ تک رس بھری ناشپاتیاں مزے لے لے کر کھاتے رہے۔

☆☆☆

ایک چھوٹے سے جزیرے پر واقع ہے، درحقیقت یہ اٹھارویں صدی میں ایک شہزادے نے راجستھان کی شدید گرمی سے بچاؤ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ سفید سنگ مرمر سے مزین اس ہوٹل کی خوب صورتی کسی کو بھی مسحور کر سکتی ہے۔ تاہم یہاں پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔

ٹری ہوٹل، نوربوٹن، سویڈن: تعمیراتی لحاظ سے کسی کا بھی ذہن چکرا دینے والا یہ ٹری ہوٹل سویڈن کے شمالی کونے میں ایک گھنے جنگل کے وسط میں واقع ہے۔ اس کا ہر کمرہ درحقیقت شیشے کا کیبن ہے جسے ماحول دوست ٹیکنالوجی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ تاہم پہلے جنگل میں طویل پیدل سفر کے بعد آپ کو درختوں پر چڑھنے کے لیے بھی کافی محنت کرنا پڑ سکتی ہے۔

☆☆☆

الف نمبر کا جائزہ اور تبصرہ

مدیر کی میز پر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

ویسے تو لامحالہ بچوں کا اسلام میں ہماری اب تک کئی کہانیاں شائع ہو چکی ہیں لیکن آج تک زبانی کلامی تبصرے کے علاوہ کوئی تفصیل تبصرہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ الف نمبر بچوں کے ادب کا وہ شاہکار ہے جس پر کسی قسم کا تبصرہ نہ کرنا یقیناً ناانصافی کی بات ہے۔

اس خاص شمارے کی کئی کہانیاں نظروں کے سامنے سے تو گزریں لیکن اسے جم کر پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ اب اسے ترتیب کے ساتھ پڑھنا شروع کیا ہے۔

رسالے کی مجموعی تزئین کاری عمدہ اور دلکش ہے۔ اسکیچز اور گل بوٹوں سے آراستہ پیراستہ صفحات بچوں کے دل لبھانے کا سامان کر رہے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں مدھم پڑتے رنگ اور عجیب وغریب چوکھٹے زیادہ پسند نہیں آئے۔

سرورق رنگوں سے سجا خوب منظر پیش کر رہا ہے لیکن بڑے سے بورڈ نے پارک کو گویا ڈھانپ سا لیا ہے۔ زیبی جیولرز سے ہوتے ہوئے صفحہ نمبر پر پہنچے تو وہاں ایک انوکھا خیال ہزارواں شمارہ کے نام سے جگمگا رہا تھا۔ اثر جونپوری، اسامہ سرسری اور سمیع اللہ حامد کے قطعوں سے اندازہ ہونے لگا کہ اندر کچھ خاص خزانہ چھپایا گیا ہے۔

آہا...... یہ کیا؟ فہرست تو گویا نت نئے کھانوں کا دسترخوان بنی ہوئی ہے جہاں ہماری من پسند چیزیں بڑی ترتیب اور سلیقے کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔ بچوں کا کون سا موجودہ بڑا ادیب ہے جو اس شمارے میں اپنی بہاریں نہیں دکھا رہا۔ صرف موجودہ ہی کیا، ماضی کے ہمارے روشن ستارے بھی اپنے بہترین انتخاب کے ساتھ براجمان تھے۔

القرآن والحدیث کے بعد خالد اعزاز کی حمد اور خالد اقبال تائب کی نعت اچھی تھی۔ فونٹ باریک محسوس ہو رہا تھا۔ غالباً یہ فیض نستعلیق کا فونٹ ہے اور چھوٹے سائز میں یہ ہمیشہ عجیب سا لگتا ہے۔ دستک میں تنوع اور اختصار کے ساتھ جامعیت نظر آئی۔ دستک کا ہر اداریہ ایسا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حالات حاضرہ کے مسائل پر تبصروں کے ساتھ قارئین سے مختلف مواقعوں پر ہونے والی گفتگو نے دستک کی اہمیت کچھ یوں بڑھا دی ہے کہ اس پر پوری کتاب لائی جاسکتی ہے۔

ارے ایک منٹ ٹھہریے! یہ دستک میں ہمارا نام کیا کر رہا ہے۔

بیگم نے دیکھا تو کہا:

''بے دھیانی میں لکھ دیا ہوگا اور چھپ بھی گیا ہوگا۔ کندھوں کو سیدھا کر کے بیٹھ جایئے۔ زیادہ اِترانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اب ان عورتوں سے کیا سر کھپانا، ہم حسب معمول انھیں کچھ کہہ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کر سکتے تھے، سو ہم اپنے تبصرے کی جانب بڑھ گئے۔

اعظم طارق کوہستانی

اشتیاق احمد کی ''امید'' تحریر آج کے حالات کا کیا ہی درست نقشہ پیش کر رہی ہے۔

محترم مفتی تقی عثمانی کی یہ ''مناجات'' جنید جمشید مرحوم کی آواز میں جب بھی سنتا ہوں، دل کی عجیب کیفیت ہوئی جاتی ہے۔ کیا ہی عمدہ نظم ہے۔

پروفیسر محمد کلوٹا کا مضمون ''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا بچپن'' میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کھٹک رہی ہیں۔ خصوصاً ابتدا ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حوالے سے جو واقعات تحریر کیے گئے ہیں، اس کے حوالے اگر دے دیے جاتے تو اچھا ہوتا۔ مجموعی طور پر مضمون اچھا ہے، سہل ہے۔

فریال یاور کی تحریر ''روشنی کا سفر'' کیا ہی خوب ہے۔ مضمون کا آغاز ہی اتنا جان دار ہے کہ قاری ابتدا ہی سے اس میں منہمک ہو کر پورا مضمون پڑھے بغیر نہیں رہ پاتا۔ فریال یاور کی تمام ہی تحریریں ہم نے ایسی ہی دلکش دیکھی ہیں۔ اللہ انھیں جنت الفردوس عطا کرے۔ بیشک وہ ''لکڑی کا منات'' کے نام سے ایک بے حد عمدہ کتاب چھوڑ گئی ہیں، جو اُن کے لیے صدقہ جاریہ کا سبب ہے۔ مدیر محترم سے گزارش ہے کہ ان کی تحریروں سے قارئین بچوں کا اسلام کو بھی روشناس کرائیں۔

محمد اسامہ سرسری کی نظم ''کچھ کم ہزار'' اچھی پہیلی ہے، دماغ کی چولیں ہلا دینے والی۔

قرات گلستان کی کہانی اس بار کچھ زیادہ متاثر نہ کر سکی۔ الف نمبر کے لیے انھیں مزید محنت کرنا چاہیے تھی۔ اُن کا انداز سادہ مگر دلچسپ ہے جو قاری کو تحریر پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ کہانی میں خیال اچھا ہو تو آپ کا اُسلوب کہانی کی شان بڑھا دیتا ہے۔

''عبدالغنی بادشاہ'' زینب رشید احمد کی تحریر پڑھ کر یقین نہیں آرہا کہ یہ اصلی واقعہ ہے۔ حقیقی واقعات ہلکے پھلکے انداز میں بھی لکھ دیے جائیں تو مزہ دیتے ہیں۔ تحریر جتنی اچھی تھی، ڈیزائننگ میں اتنی ہی کمی محسوس ہوئی۔

اگر آپ اچھے مصنف ہوں، ساتھ ہی پولیس کے آئی جی ہوں اور اس پر طرہ یہ کہ آپ جاسوسی کہانیاں لکھنے والے ہوں تو سونے پر سہاگا ہو جاتا ہے۔ آئی جی غلام رسول زاہد کی انھی خوبیوں کی وجہ سے ان کی کہانیوں میں جھول نہیں ہوتے۔ جاسوسی کہانیوں میں جھول کہانی کا سارا مزہ کرکرا کر دیتے ہیں۔ الف نمبر میں ان

کی تحریر ''راج محل کا راز'' نے آخر تک اپنے سحر میں جکڑ رکھا۔ کہانی ایسی ہے کہ پڑھتے ہوئے دماغ میں فلم چلتی رہی۔ دلکش اسکیچز نے جان ڈال دی ہے۔ تحریر کا اختتام ایک بڑی سازش کے بے نقاب ہونے پر ہوا۔ یہ ایک اچھا اختتام تھا۔

تاریخی کہانیاں لکھنے کے حوالے سے نعیم احمد بلوچ کا نام معروف ہے، وہ اپنی کہانی سے قاری کو آخر تک جوڑے رکھتے ہیں۔ ''دوست کی خاطر'' کلاسک کا درجہ رکھتی ہے۔

''زمردنامہ'' کا عنوان بہت خوبصورت لگا، تزئین کار نے کس خوبصورتی کے ساتھ بنا کر جمایا تھا۔ کہانی مگر زیادہ متاثر نہ کر سکی۔ اسے مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا۔

الٹی گنگا (ریحانہ سلیم) کی اس کہانی کو اسکول میں بطور ڈراما پیش کیا جا سکتا ہے۔ انگریزی نما اردو بول کر جو اس زبان کا کچومر نکال رہے ہیں، ان کے لیے یہ ایک اچھی مثالی تحریر ہے۔

''امت کے ماموں جان'' معلوماتی اور اچھا مضمون ہے۔ ایک تو ہم سے عائشہ غضنفر اللہ نام ٹھیک سے نہیں پڑھا جا رہا۔ زبان بار بار اٹکتی ہے، لیکن اچھا ہے کہ نام میں ہی زبان اٹکی، تحریر رواں تھی۔

سعید لخت بچوں کے پسندیدہ ادیب تھے۔ ان کی تحریریں آج سے سو سال بعد بھی اسی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ فلپائن کی لوک کہانی جگنو اور بندر کو انھوں نے تحریر کر کے والدین کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔ اپنے بچوں کو سنانے کے لیے والدین کے پاس ایک اچھی کہانی کا اضافہ ہو گیا ہے۔

جحا کے واقعات پڑھ کر اپنے ملا نصیر الدین یاد آ گئے۔ محمد فیصل علی کا شکریہ کہ انھوں نے اچھا اشتراک کیا ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے والے خال خال ہی ہیں۔ عاطف حسین شاہ بچوں کی نفسیات سے واقف ہیں اور بھلا کیوں نہ ہوں، ایک استاد بچوں کی نفسیات سے آگاہ نہ ہوگا تو پھر کون ہوگا۔ ٹوپی ڈرامہ کے ساتھ وہ بھی الف نمبر میں موجود ہیں۔ تحریر اچھی ہے مگر الف نمبر کے لحاظ سے اسے مزید دلچسپ اور مزے دار بنانے کی ضرورت تھی۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیا لکھنے والا یا پھر بچوں کے ادب میں غیر معروف نام ایسی تحریر لکھ دیتا ہے کہ دل اش اش کر اٹھتا ہے۔ بانو ایمن کا نام ہم نے پہلی بار دیکھا۔ ان کی تحریر ''ذکر ایک رات کا'' الف نمبر کی بہترین تحریروں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ کتنی چابک دستی کے ساتھ کہانی میں ہمت، عزم اور توہمات کو خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ بہت خوب بانو ایمن صاحبہ!

(باقی آئندہ)

قاتلِ سپاہی

دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ جون کا مہینہ ہے۔ سمن آباد میں ایک ڈاکیا پسینے میں شرابور بوکھلایا بوکھلایا سا پھر رہا ہے۔ محلے کو لوگ بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ اصل میں آج اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن ہے۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے پھر ایک پرچون والے کی دکان کے پاس سائیکل کھڑی کر کے دکان دار کی طرف بڑھتا ہے۔

''قاتل سپاہی کا گھر کون سا ہے؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

یہ سننا تھا کہ دکان دار کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اُس کی آنکھیں خوف سے ابل پڑیں۔ ''قق...... قاتل سپاہی!...... مم مجھے کیا پتا؟''

اُس نے جلدی سے دکان کا شٹر گرا دیا۔

ڈاکیا مزید پریشان ہو گیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طریقے سے قاتل سپاہی کا پتا چل جائے لیکن جو کوئی بھی اس کی بات سنتا چپکے سے کھسک جاتا۔ ڈاکیا نیا تھا، نہ جان نہ پہچان اور اوپر سے قاتل سپاہی کے نام کی رجسٹری، آخر وہ کرے تو کیا کرے؟ کہاں سے ڈھونڈھے قاتل سپاہی کو؟ اس نے پھر نام پڑھا نام اگرچہ انگریزی میں تھا لیکن آخر وہ بھی مڈل پاس تھا، تھوڑی بہت انگریزی سمجھ سکتا تھا۔ بڑے واضح الفاظ میں ''قاتل سپاہی'' غالب اسٹریٹ، سمن آباد لکھا ہوا تھا۔

دو گھنٹے تک گلیوں کی خاک چھاننے کے بعد وہ ہانپنے لگا۔ پہلے روز ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اب وہ اپنے پوسٹ ماسٹر کو کیا منہ دکھائے گا؟

اس کا حلق خشک ہو گیا اور پانی کی طلب محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار اٹھا اور سامنے موجود گھر کے دروازے پر لگی بیل پر انگلی رکھ دی۔ اچانک اسے زوردار جھٹکا لگا۔

اس جھٹکے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ بیل میں کرنٹ تھا بلکہ بیل کے نیچے لگی ہوئی 'نام پلیٹ' پر انگریزی میں 'قاتل سپاہی' لکھا ہوا تھا۔ اول ایک خوشی کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی اور ساتھ ہی خوف بھی محسوس ہونے لگا۔

اتنی دیر میں دروازہ کھلا اور ایک نوجوان باہر نکلا۔

ڈاکیے نے جلدی سے رجسٹری اس کے سامنے کر دی اور سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا: ''کیا آپ ہی کا یہ نام ہے؟''

نوجوان نے نام پڑھا اور کہا: ''نہیں یہ میرے دادا ابو ہیں۔''

ڈاکیے نے جلدی سے پوچھا: ''کیا نام ہے اُن کا؟''

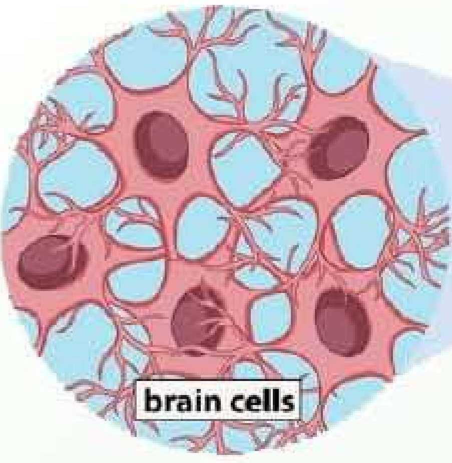
نوجوان نے بڑے اطمینان سے کہا:

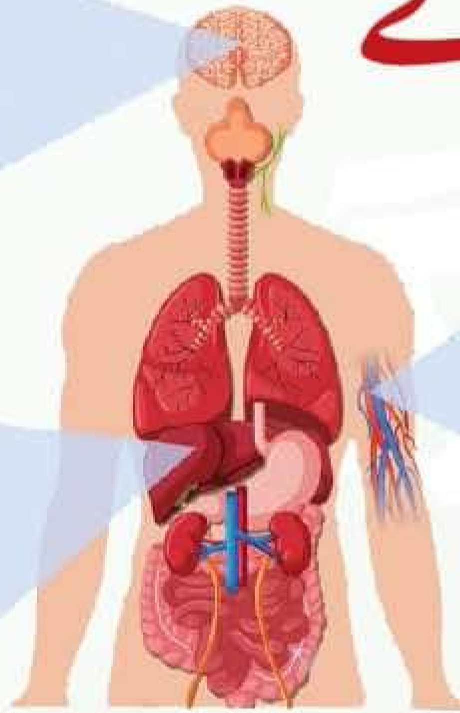
''قتیل شفائی!'' (Qatil Shiphai)

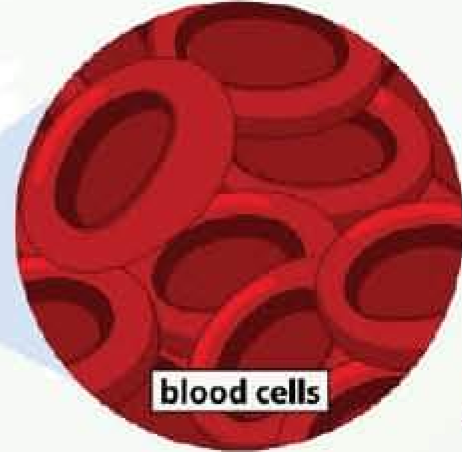
☆☆☆

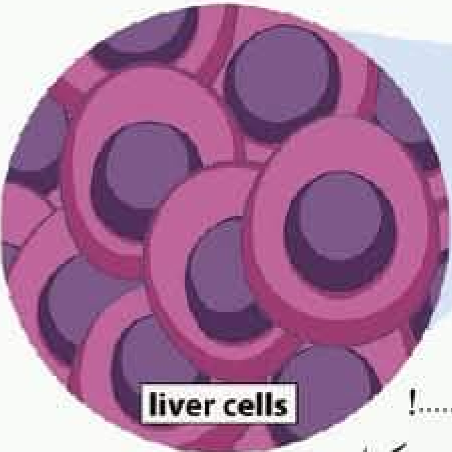
حافظ طلحہ عابد۔ ملتان

پلوٹو سے بھی آگے









ترجمہ وتلخیص:
سروہارا امبارکر

ہم اپنا وجود گوشت کے گرم ڈھیر میں پاتے ہیں اور اس کو زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنھیں علم ہے کہ جسم میں تلی کا کیا فنکشن ہے؟ یا پھر (tendon) اور (ligament) میں کیا فرق ہے؟ ہمارے لمف نوڈ کیا کرتے ہیں؟ اور آپ دن میں آنکھ کتنی بار جھپکتے ہیں؟ پانچ سو بار یا ایک ہزار بار؟ ظاہر ہے کہ آپ کو اندازہ نہیں لیکن یہ اوسطاً چودہ ہزار بار جھپکی جاتی ہیں۔ یعنی کہ ایک عام روز میں جاگتے وقت یہ تیئس منٹ تک بند رہتی ہیں، لیکن ہمیں اس سب کے بارے میں سوچنا ہی نہیں پڑتا۔ ہر دن کے ہر لمحے میں ہمارے جسم میں کھرب ہا کھرب کام ہو رہے ہیں۔ اتنے زیادہ کہ ہم اُس عدد کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن اُن سب کاموں کو ہونے کے لیے ہماری توجہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

جب سے آپ نے یہ فقرہ پڑھنا شروع کیا تو اِس ایک سیکنڈ میں جسم میں خون کے دس لاکھ سرخ خلیے بن چکے۔ یہ اب جسم کی شریانوں میں چکر کاٹ رہے ہیں اور آپ کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ہر خلیہ جسم میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ بار چکر لگائے گا، خلیات کو آکسیجن فراہم کرے گا اور پھر اس سب سے تھک ہار کر خاموشی سے ختم ہو جائے گا اور اپنے اجزا دوسرے خلیات کو دے دے گا۔

مل ملا کر آپ میں ''سات ارب ارب ارب'' ایٹم ہیں۔ ذرا سوچیے کہ آخر اِن ''سات ارب ارب ارب'' ایٹموں کو کیا پڑی تھی کہ مل کر آپ بن گئے؟ آخر کار، یہ بغیر دماغ کے ناسمجھ ذرات ہیں جن میں کوئی سوچ نہیں۔ اور آپ کے جسم کے ایٹوں میں سے کوئی ایک بھی آپ سے خاص نہیں۔ یہ آتے جاتے رہیں گے۔ مسلسل تعمیرِ نو جاری رہے گی۔ ماحول اور بدن میں مادے کا تبادلہ جاری رہے گا، لیکن آپ کی زندگی کے دورانیے کے درمیان آتے جاتے یہ ایٹم اِس وجود میں رقصاں رہیں گے اور جسم کے اَن گنت نظاموں کو تشکیل دیں گے اور چلائے رکھیں گے۔ یہ آپ کو شکل دیں گے اور آپ کو ایک انتہائی نایاب اور انمول تحفے سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی، جو کہ آپ کی زندگی ہے۔

......☆......

یہ سب اِس سے کہیں زیادہ بڑا کام ہے، جتنا آپ کو احساس ہے۔ اگر آپ کو کھولا جائے تو آپ بہت بڑے ہیں......!

اگر آپ کے پھیپھڑوں کو کھول کر چادر کی طرح بچھایا جائے تو یہ ایک ٹینس کورٹ کو ڈھک دیں گے، اور ہوا کے لیے نالیوں کو سیدھا کیا جائے تو یہ کراچی سے ڈھاکا تک پھیل جائیں گی۔ خون کی تمام رگوں کی لمبائی زمین کو ڈھائی بار چکر لگا لے گی۔ آپ کے ڈی این اے کا غیر معمولی مالیکیول، ایک خلیے میں ایک میٹر کا پیک ہوا پڑا ہے۔ اگر جسم کے تمام ڈی این کو ایک دھاگے کی صورت میں اکٹھا کر لیا جائے تو یہ دس ارب میل کا ہوگا۔

جی ہاں! یہ پلوٹو سے بھی آگے نکل جائے گا......!

لیکن ایٹم صرف تعمیر کے بلاک ہیں اور خود میں زندہ نہیں۔ زندگی ٹھیک ٹھیک کہاں پر شروع ہوتی ہے؟ یہ بتانا آسان نہیں۔ قریب قریب ہر کوئی متفق ہے کہ زندہ اجسام کا بنیادی یونٹ ایک خلیہ ہے۔ ایک خلیے میں بہت مصروف اشیا ہیں۔ رائبوزوم، پروٹین، ڈی این اے، آر این اے، مائیٹوکونڈریا کے علاوہ بھی بہت کچھ اور، لیکن اُن میں سے کوئی بھی خود میں زندہ نہیں۔ خلیہ ایک چھوٹے کمرے کی طرح ہے جو انھیں جگہ دیتا ہے، لیکن کسی طرح یہ سب اکٹھا ہو کر ہمیں زندگی دیتی ہیں، اور یہ حصہ سائنس کی گرفت میں ابھی نہیں ہے۔ (اور امکان ہے کہ شاید ہمیشہ ایسا ہی رہے)۔

اور شاید اِس میں سب سے خاص شے یہ ہے کہ کوئی بھی انچارج نہیں۔ خلیے کا ہر جز دوسرے اجزا سے آنے والے سگنلز پر ردِ عمل دیتا ہے۔ یہ سب ٹکرا رہے ہیں اور الجھ رہے ہیں، جیسے بمپر کار کا تماشا ہو لیکن اِن سب رینڈم حرکات سے ایک بڑا ہی نفیس اور باربط ایکشن برآمد ہو جاتا ہے۔ نہ صرف خلیے کے اندر بلکہ پورے جسم میں۔ خلیات آپ کے جسم کے آفاق میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی میں چلتے ہیں اور جسم کے دوسرے حصوں کے خلیات سے رابطہ رکھتے ہیں۔ (جاری ہے)